کا سفر کرتے ہیں اور رائیں قائم کر لیتے ہیں اور پھر انہیں وقت گزارنے یا ایک دوسرے کو مرعوب کرنے کے لئے ہتھیاروں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور ہماری رائیں کیا ہوتی ہیں؟ یہی کہ روضہ تاج محل خوبصورت عمارت ہے اور چین کے مجلسی حالات بہتر ہو رہے ہیں یا نہیں ہو رہے اور دنیا میں اچھے شاعر پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں۔ ہم انہیں بار بار دہراتے ہیں حتیٰ کہ اپنی تقریر میں ماہر ہو جاتے ہیں' ٹورسٹ گائیڈ کی طرح۔ پھر ہم اس کا استعمال شروع کرتے ہیں۔ ہر ایک کے پاس اپنا اپنا سلسلہ بند طریقہ ہے' برسوں کے تجربے اور مشق کے بعد اپنایا ہوا رویہ' غیر شخصی سرسری پن' یا محتاط' شخصی اور منہمک رویہ۔ ہم بہر حال ہر منزل پر' ہر طریقے سے اپنے آس پاس کے لوگوں کو ہم خیال بنانے کی' دوسرے لفظوں میں انہیں مرعوب کرنے کی انتہائی جدوجہد کرتے ہیں' ان کی کوئی پرواہ کئے بغیر' اور مستقل یہ جانتے ہوئے کہ ہماری ذرہ برابر پروا ان کو نہیں ہے۔ ہم اپنی زندگی کے خلا کو چھوٹی موٹی باتوں سے پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں' گفتگو جو تسکین بخش بھی اتنی ہی ہوتی ہے جتنی کہ گمراہ کن۔ اور پھر وہ وقت آتا ہے' وہ جب ہم تھک جاتے ہیں اور پیچھے رہ جاتے ہیں اور بس کا تیل ختم ہو جاتا ہے اور ہمارا بوجھ سڑک کے کنارے بکھر جاتا ہے' کچھ مردہ کچھ نیم مردہ اور دفعتاً حقیقت ہمارے سامنے آ جاتی ہے' کہ یہ سب اس قدر بے سود تھا سب! کہ بالآخر ہم وہاں پہنچ گئے ہیں جہاں سکون نہیں ہے اور ہم واپس نہیں جا سکتے' کہ جہاں پر محض تنہائی عظیم کا احساس ہے' کہ ہم پرانی بس کی طرح بدصورت اور بیکار ہیں اور ان [illegible] سڑک کے کنارے [illegible] ہیں' تھکے اور ہیں تو توڑ پھوڑ [illegible]

"اب ہم پریشان ہیں' تنہائی کے خوف سے ہراساں ہیں' تنہا ہیں' بے حد تنہا ہیں۔ کیوں؟ کیا ہم صرف اس دن کے لئے اتنی مدت سے رہتے آ رہے تھے؟ ہمارا نصب العین' ہمارے الفاظ' احساسات' جذبات' وہ کام برسہا برس کی مشق ہے جس میں ہم نے مہارت حاصل کی' دور دراز کے سفر' دوست' علم جو ہم نے تقریر اور میل جول کے ذریعے تیز کیا' ہماری ہر دلعزیزی جو ہمارے ارد گرد اور ساتھ ساتھ چپکی تھی سب ختم ہو گیا؟ کیوں؟ کیوں؟ اب ہم سوچنے سے قاصر ہیں کہ کبھی سوچ ہی نہیں پائے۔ پر ہم جانتے ہیں' جیسا کہ ہم کئی اور یا تم جانتے ہیں' کہ ہم نے جس چیز کی تلاش کی اسے پایا اور جس کے لئے اب حیران و پریشان کھڑے ہیں اس کی تلاش ہی میں کبھی نہ نکلے' صاف سیدھی بات ہے۔ چنانچہ اب تم چین کی بنسری بجاؤ اور قناعت سے بیٹھ کر خاتمہ بالخیر کا انتظار کرو' انتظار کرو اور نچلے بیٹھو' نچلے بیٹھو کہ یہی اصل مقام ہے۔ پر چین کی بنسری بجائے نہیں بجتی اور ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم جانتے ہیں کہ جیتے جی انہماک اور لاپروائی اور صبر کے ساتھ انتظار کریں جب موت آئے گی تو ہمیں پریشان کر دے گی' جیسے کہ یہ ہر کسی کو کر دیتی ہے۔ باوجود ساری باتوں کے' جب یہ آتی ہے تو خوف زدہ کر دیتی ہے۔ زندگی میں پہلی بار ہم سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں.... ایک چمکیلی خوشگوار صبح کو میں اپنے باغ میں کھڑا خرگوشوں اور مرغیوں کو ناشتہ کھلا رہا ہوں۔ پرانا کڑوا تمباکو پی رہا ہوں اور اپنے پوتے پوتیوں کو سبزے پر کھیلتے کودتے دیکھ رہا ہوں۔ میری طبیعت میں ٹھہراؤ اور ربودگی آ چکی ہے اور میں سنبھل سنبھل کر اطمینان سے چلتا پھرتا ہوں۔ نوجوان آدمی کام پر

UrduPhoto.com

جاتے ہوئے پاس سے گزرتے ہیں اور جھک کر سلام کرتے ہیں...... "قابلِ عزت بزرگ۔ سلیقے سے بسر کی ہوئی زندگی" وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ پھر سامنے سے ایک اور چلا آتا ہے۔ ایک سفید سر والا دانا شخص' چھڑی کے سہارے اپنے آپ کو سنبھالے' وقار اور اطمینان کے ساتھ چلتا ہوا۔ نوجوان آدمی جھک کر سلام کرتے ہیں اور پہلی والی بات آپس میں دہراتے ہیں۔ وہ اخلاق سے مسکرا کر جواب دیتا ہے اور میرے سامنے آ کر چند منٹ کے لئے رک جاتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں اور موسم کے متعلق اظہارِ رائے کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی صحت کے متعلق پوچھ گچھ کرتے ہیں' پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔ اب کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ساری باتیں اتنی غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ خرگوشوں کا ناشتہ اور چمکدار موسم اور دو خوشنما' بے سہارے بڈھے' خالی الذہن اور مطمئن ایک دوسرے کے ڈھونگ کو جانتے ہوئے اور چھپائے ہوئے' بلاوجہ نادم اور خوش مزاج...... پھر وہ بات کرنے کے انداز میں کھنکارتا ہے اور محض ہاتھ سے سلام کر کے چلا جاتا ہے۔ میں پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا لیکن میں جانتا ہوں اور ذہن کی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا ہوں۔ نہایت سلیقے سے بسر کی ہوئی ایک زندگی' بے وجہ' بے جواز۔ جانتا ہوں کہ وہ بھی مجھے دیکھ رہا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جانتے ہیں لیکن کبھی تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح ہم جھکتے ہیں۔ اس طرح......"

باہر بارش تیزی سے شروع ہو چکی تھی اور ہوا کے زور سے اندر آ رہی تھی۔ نعیم اٹھا اور ایک ایک کر کے دروازے اور کھڑکیاں [illegible] سے تقریباً آزاد ہو چکا تھا۔ اس کے سر کے پچھلے حصے پر بال گھنے اور برف کی طرح سفید تھے اور اس کے گالوں کی کھال لٹکتی جا رہی تھی۔ آخری کھڑکی بند کرنے سے پہلے وہ کئی لمحے تک باہر باغ کی تاریکی میں دیکھتا رہا جہاں بادل بجلی چمک رہی تھی۔

"آج بہت سارے کچے آم گریں گے۔" اس نے کہا۔

بجلی کی چمک بے حد صاف تھی اور اس میں سارا باغ' طوفان میں جھولتے ہوئے درخت اور بارش کے قطرے ایک لمحے کے لئے جاگ اٹھتے تھے۔ ساربانوں کا ایک چھوٹا سا خاندان ابھی ابھی کوٹھی میں داخل ہوا تھا۔ انھوں نے برآمدے کے ستونوں سے اپنے اونٹ باندھ دیئے تھے اور اب کونے میں دبک کر آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ ان کے سروں پر پرندے' جو درختوں پر سے جان بچا کر بھاگ آئے تھے' چوں چوں کر رہے تھے۔ نعیم کو ایک بہت پرانی بات' جو ایک مرتبہ اس کے ذہن میں سے گزری تھی' یاد آئی اور وہ آہستہ سے مسکرایا۔ "تم سورج کی تپش سے بچنے کے لئے راتوں کو سفر کرتے ہو اور پھر بارش آ جاتی ہے۔ خدا حافظ' رات کے آباد کارو' تمہارا گھر کہاں ہے؟ اب تم اپنے لئے بارش کا ایک گھر بناؤ" وہ دوبارہ مسکرایا۔ ہوا سیٹیاں بجاتی ہوئی درزوں میں داخل ہو رہی تھی اور بارش کے قطرے شیشوں پر سر مار رہے تھے۔ "رات کے باشندو' اب تم اپنے لئے......" اس نے دہرایا۔

دیوار پر نشاۃِ ثانیہ کی یادگار رنگین میڈونا جو بڑی دیر سے ایک کیل کے سہارے جھول رہی تھی کھٹاک سے گری اور ٹوٹ گئی۔ شیشوں پر بارش زیادہ زور سے ہونے لگی۔ انیس الرحمان نے پھر بولنا شروع کر دیا:

"وہ عظیم شخصیت جو جنم نہ لے سکیں۔ جنہیں گھر باہر کے روزمرہ کے چھوٹے بڑے کام کرنے پڑے جن کا وقت اسی طرح ضائع ہو گیا۔ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ ضابطہ جو ہم نے اپنے اوپر عائد کر لیا ہے اور جس کے تحت ہم زندگی بسر کرتے ہیں کس کام کا ہے۔ حصول مسرت کا یہ معیار جو ہم نے قائم کیا ہے یا جو قائم کیا کرایا ہمیں ملا ہے کس حد تک صحیح ہے۔ ہم جو اتنا دکھ سہتے ہیں' اتنی محنت کرتے ہیں' اتنے جھوٹ بولتے ہیں' اتنی چاہتیں اتنی حسرتیں دل میں دبائے رکھتے ہیں' اتنی طاقتور خواہشیں پوری نہیں کر سکتے کہ دل و دماغ کے روگی ہو جاتے ہیں' اتنی اخلاقی قدروں کو سمیٹتے ہیں' اتنی اخلاقی قدروں کو قربان کرتے ہیں...... وقت کی کمی کی وجہ سے ان لوگوں سے نہیں مل سکتے جن سے بہت ملنا چاہتے ہیں' دوستی کرنا چاہتے ہیں یا ہمدردی کی توقع رکھتے ہیں یا ایسے لوگوں کو نہیں مل پاتے جن کو ہم نہیں جانتے لیکن جن سے مل لیتے تو بہت خوش ہوتے۔ ان جگہوں پر نہیں جا سکتے جن کا صرف نام سن رکھا ہے' جو کچھ سوچتے ہیں کہہ نہیں سکتے' جو کہتے ہیں کر نہیں سکتے' قطعی طور پر برے آدمی سے قطع تعلق اور اچھے آدمی سے دوستی نہیں کر سکتے کیونکہ ہمیں ڈر ہوتا ہے کہ ہم زندگی کو بہتر طور پر بسر نہیں کر سکتے حالانکہ ہم میں سے کتنے ہی ہیں جو وہ سب کرنا چاہتے ہیں جو نہیں کر سکتے اور وہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتے جو کر رہے ہیں' تو چاہنے اور کرنے میں یہ تضاد' یہ بُعد کیوں ہے؟ اور اس سے کیا حاصل ہے اور یہ مصنوعی ہے یا حقیقی؟ کیا یہ سب کچھ جو ہم بھگتتے ہیں محض اس لئے ہے کہ ہم اپنے گھر کو' جو چند دیواروں اور کھڑکیوں کا مجموعہ ہوتا ہے سلامت رکھنا چاہتے ہیں' یا اپنے [illegible] چند [illegible] رکھنا چاہتے ہیں یا چند [illegible] جن میں کھانا پکانے کے برتن' کپڑے اور چند آسائش کی اشیاء ہوتی ہیں' قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا ہم اپنی شخصیت کو محض اس لئے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ بنیادی ضرورتوں کو پورا کر سکیں' اپنی علیحدگی' اپنی انفرادیت کو محض اس لئے ضائع کر دیتے ہیں کہ کمتر انسانی جذبوں کی تسکین کر سکیں۔ کیا ہمیں ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق معلوم ہے؟ کیا ہم مسرت کا مطلب جانتے ہیں' علم اور جہالت میں کیا ہم تمیز کر سکتے ہیں؟ کیا ہم محض اس لئے اس قدیم' انسان کش ضابطے کو برقرار رکھے ہوئے ہیں کہ اس سے شخصی غرور کو جلا ملتی ہے؟ کہ ہم اپنے حقیر گھروں اور خاندانوں میں ایک کھوکھلی' مغرور اور محتاط زندگی بسر کرتے رہیں۔ یا وہ نوجوان' جو ابھی زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں' اپنے مکان کو گرنے سے بچانے اور کنبے کو خوراک مہیا کرنے کی خاطر روزانہ زندگی کے چھوٹے موٹے کام کرتے رہیں اور خوشی کے بجائے غرور اور تنفر حاصل کریں۔ اور پھر ہم میں سے چند ایک ان کاموں میں کمال حاصل کریں اور نمایاں مقام پر پہنچیں اور حاسدانہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں اور اس طرح زیادہ مغرور اور زیادہ ناخوش ہو جائیں اور اپنے ساتھی لوگوں میں گھلنے ملنے کی بجائے انہیں مرعوب کرنے کی طرف مائل ہوں اور بدلے میں ان سے حقارت حاصل کریں۔ عوامی زندگی کے یہ نمایاں لوگ' سیاست دان اور تعلیمی اداروں کے سربراہ اور بڑی عدالتوں کے منصف' ان کی زندگی بھر کی کمائی کیا ہے؟ حقارت اور محرومیت! کیا وہ بس ان دو چیزوں کے لئے ایک انتہائی مردہ دل اور پُر کوفت زندگی بسر کرتے ہیں؟

"اگر ہم ایک اونچی چٹان پر اکیلے بیٹھ کر سوچیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ خوشی تو ایک معمولی شے ہے۔ اور اسے

حاصل کرنا تو بڑا آسان ہے یعنی آپ اسے محض چٹان پر چڑھ کر بھی حاصل کر سکتے ہیں جب کہ آپ تنہا ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کی ساری شخصیت ہے ساری انفرادیت ہے' آپ کی عظمت اور نیکی اور عقل ہے اور آپ ہر لحاظ سے مکمل ہیں اور قطعی طور پر مطمئن اور خوش قسمت ہیں اور آپ کو بھوک نہیں لگ رہی چنانچہ آپ ابھی کچھ دیر اور یہاں رک سکتے ہیں اور زندگی کے عظیم مقدس مسائل پر' محبت اور موت پر غور کر سکتے ہیں اور دیانت داری سے اپنی رائے وضع کر سکتے ہیں۔ اس وقت آپ کے پاس وہ بیش بہا آزادی کا احساس ہوتا ہے جس کے لئے' مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے' کہ ہم پیدا کئے گئے ہیں اور ہم سوچتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں نیچے جائیں گے اور فلاں فلاں کام کریں گے یا نہیں کریں گے کہ ان کا کرنا نہ کرنا ہمارے اختیار میں ہے.......... مگر خوفناک بات یہ ہے کہ جب ہم نیچے جاتے ہیں تو ایک ایک کر کے ساری چیزیں ساتھ چھوڑ جاتی ہیں اور آخیر میں ہماری وہی پرانی' کمزور' گمنام شخصیت رہ جاتی ہے جس کے سامنے روزانہ معمول کے ایسے کام ہوتے ہیں جو ہر حالت میں کرنا ہوتے ہیں اور جو اپنے معمولی پن کے باوجود ہمارے اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم ایک ایک کر کے اس سمندر میں گم ہو جاتے ہیں اور ہجوم سے الگ ہماری کوئی شخصیت' کوئی آزادی نہیں رہتی۔ ہم خوشی کے اس معیار کو بھی بھول جاتے ہیں جو کچھ دیر قبل ہم نے قائم کیا تھا' اور ایک دوسری قسم کی مسرت' جو تقابل اور کبر نفس سے پھوٹتی ہے' ہم پر قبضہ کر لیتی ہے اور زندگی کی سفاکی کا ایک منظر ہے کہ ہم جانے بوجھے اور محسوس کئے بغیر' تیزی کے ساتھ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف سفر کرتے ہیں۔

"[illegible] جور و ستم جو ہم جھیلتے ہیں' کیا ہماری زندگی' ساری انسانی زندگی اس قابل ہے کہ اس کے لئے اتنی دل شکنی قبول کی جائے' بتاؤ کیا ساری انسانی زندگی کی کوئی وجہ ہے؟"

وہ دیر تک یونہی باتیں کرتا رہا اور بارش رات بھر دریچوں اور روشن دانوں کے شیشوں پر سر مارتی رہی۔

(۴۳)

اس اتوار کو انیس اور نعیم شہر لوٹ آئے۔ نعیم کو روشن محل کے پرانے دروازے پر اتارتے وقت انیس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور اس کی طرف جھک کر ہنسا۔ نعیم نے اس کی آنکھوں کی قدیم حیوانیت اور تند خوئی کو ہلکی سی بے چینی کے ساتھ محسوس کیا' لیکن اب وہ اس کی طبیعت کے میلان سے تقریباً واقف ہو چکا تھا۔ اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور اندھیرے میں دور تک اس کی گاڑی کو بڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ شام پڑ چکی تھی۔ گیٹ کے اندر داخل ہو کر نعیم نے دیکھا کہ بڑے لان میں عجمی کے احباب کا ہجوم میزوں' کرسیوں اور سبزے پر بیٹھا تھا۔ یوکلپٹس کی شاخوں میں سبز رنگ کا بلب جل رہا تھا اور سبزے پر حسب معمول کی جگہ پر ایک ساتھ باتیں ہو رہی تھیں۔ ایک طرف دو لڑکیاں تیز روشنیاں جلائے بیڈمنٹن کھیل رہی تھیں۔ لان کے کونے میں رکھوالے نے گرے

ہوئے پتوں کو اکٹھا کر کے جو ڈھیر لگایا تھا رات کی بارش میں بھیگ گیا تھا اور اس پر چڑھا بادامی رنگ کا ایک چھوٹا سا نفیس کتا بیٹھا تھا۔ اس وقت وہاں سے گزرتے ہوئے برمن جی کی نگاہ اس تنہائی پسند کتے پر پڑی اور وہ جھک کر اس سے باتیں کرنے لگے۔ خلیق جانور شائستگی اور اکتاہٹ سے منہ اٹھا کر ان کی باتیں سننے لگا۔ کوٹھی میں داخل ہوتے ہوئے نعیم کو کسی نے نہ دیکھا اور وہ خالد' فے' برمن جی اور کیپٹن مسعود کو پچھاڑتا ہوا اپنے کمروں کی طرف چلا گیا۔ اس کے برآمدوں میں کسی نے روشنی نہ جلائی تھی۔ چند لمحوں تک بجلی کے بٹن پر ہاتھ رکھے کھڑے رہنے کے بعد وہ اندھیرے میں پڑی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے سامنے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ نوجوان لوگ تھے' زندگی اور حسن سے بھرپور' سارے وقتوں' سارے جذبوں سے جی بھر کر لطف اندوز ہونے کے اہل' اس نے بیٹھے بیٹھے سوچا' امید اور انتظار کے حامل' اندیشوں سے پاک...... ابھی اندیشے آئیں گے' کہ ان کا بھی وقت مقرر ہے۔ اس نے جھنجلا کر خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔ پھر اسے وہ مردہ پرندے یاد آئے جو اس نے انہیں کے باغ میں دیکھے تھے جو رات کے طوفان میں مر گئے تھے [illegible] ڈھیر میں اکٹھا کر دیا تھا۔ اس نے اس خیال کو بھی ذہن سے نکال دیا۔ موسم میں برسات کا مخصوص حبس تھا اور سامنے وہ سب آم کھا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ باتیں! [illegible] بھی خاموشی سے اپنا کینوس سنبھال رہی تھی۔

"نجمی!" اس نے چپکے سے دہرایا۔ دفعتاً سناٹا چاروں طرف پھیل گیا اور فضا میں خاموشی گونجنے لگی اور بے آواز خیالوں [illegible]

اس نے [illegible] اور ادھ بنے پورٹریٹ کو ایزل پر سے اتارا اور لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر وہ میز سے اتر کر خالد اور فے کے ساتھ ہی گھاس پر بیٹھ گئی جو پچھلے دو گھنٹے سے الجھ رہے تھے۔ دنیا بھر کی شاعری زیر بحث تھی۔

"ایلیٹ...... ایلیٹ اور ایلیٹ۔" فے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیا ہے تشبیہ نگار۔ وہ تو نقاد کچھ کچھ ڈھنگ کا ہے شاعر واعر کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اس کا وہ دوست' کیا نام ہے اس کا بھلا سا......"

"پاؤنڈ؟ ایذرا پاؤنڈ؟"

"ہاں وہ۔ ارے بھئی واہ' کیا ایک سے ایک بڑھیا آدمیوں کو شاعر بنا کے رکھا ہے اللہ میاں نے۔ بیٹھے بیٹھے کیا لکھتے رہتے ہیں۔"

"شاید ایک دوسرے کو خط لکھتے ہیں۔" نجمی نے تجویز پیش کی۔

"ارے ہاں' اور بعد میں ان کی ذاتی خط و کتابت کو شائع کر دیا جاتا ہے اور شاعری سمجھ کر پڑھا جاتا ہے۔ ارے واللہ کیا وقیق سمبلزم ہے اعلیٰ درجے کی ان دونوں حضرات کی جس پر خالد صاحب سر دھنتے ہیں۔"

فے اور نجمی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"یہ تو نتیجہ نکلتا ہے سنجیدہ موضوعات پر لڑکیوں کے ساتھ بحث کرنے کا۔" خالد نے کہا۔ "بکتی چلی جاتی ہیں۔ یہ تو اوقات ہے۔"

UrduPhoto.com

’’دراصل خالد کو شاعری واعری کا کیا پتا نے ڈیئر۔‘‘ نجمی نے رازدارانہ طور پر کہا۔ ’’یہ شرارت ساری سپاہی شاعر کی ہے۔ وہ جس شاعر کو گرو مانتا ہے خالد صاحب بھی کمال سعادت مندی سے اس کے چیلے بن جاتے ہیں۔‘‘

’’بھئی واہ‘ کیا روحانیت ہے۔ سپاہی شاعر کہتا ہے۔‘‘ نفی نے بات جاری رکھی۔

لیکن نجمی نے دیکھا کہ سپاہی شاعر ان سے دور سبزے کے کنارے کنارے اکیلا چل رہا تھا‘ اپنے مغرور سر کو اونچا کیے‘ اوپر اوپر دیکھتے ہوئے‘ اپنے اس مخصوص انداز میں جس کی وجہ سے وہ اس سے اتنا جلتی تھی۔ پھر اس نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے‘ باتیں کرتے ہوئے خوش باش لوگوں پر نگاہ ڈالی اور اسے کسی شے کا تکلیف دہ احساس ہوا‘ کسی ایسی چیز کا جو آج ہی ان کے درمیان پیدا ہوئی تھی‘ کہ وہ درحقیقت خوش نہیں تھے کہ وہ گہری مانوسیت اور گھلاوٹ جو پرانے دوستوں میں ہوتی ہے ان کے درمیان سے اٹھ چکی تھی اور اس کی جگہ دبی دبی بے اعتمادی تھی‘ اندیشہ تھا کہ وہ اس پُرخطر احساس کو جو آپ سے آپ پیدا ہو گیا تھا چھپانے کی انتہائی کوشش کر رہے تھے اور جان بوجھ کر چہروں پر شگفتگی پیدا کیے بیٹھے تھے۔ وہ وہاں بیٹھے بیٹھے اس قدر اچانک اپنے آپ کو بے حد غیر محفوظ خیال کیا اور گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کی طرف بڑھتے ہوئے نجمی نے سوچا: باوجود اس کے جانے کیسی ...... دلکشی ہے اس شخص میں۔

’’ہیلو کپتان صاحب۔‘‘ اس نے کہا۔

’’ہوں؟ [illegible]‘‘

’’نجمی۔‘‘ نجمی نے مری ہوئی آواز میں دہرایا۔

’’اوہ ...... نجمی‘‘ اس نے جھینپ کر کہا۔ دونوں ساتھ چلنے لگے۔

’’ٹیلی فون کا انتظار کر رہا تھا۔‘‘

’’روز ٹیلی فون کا انتظار کرتے ہیں؟‘‘ نجمی نے اکتا کر سوال کیا۔

’’ہوں؟ ہاں۔ مجھے یونٹ چھوڑنے کا حکم نہیں ہے۔ لیکن میں یہاں آ جاتا ہوں اور انتظار کرتا رہتا ہوں۔ انہی دنوں میں شاید فساد ہو جائے‘ حالات کا تمہیں پتا ہی ہے۔ میرے اردلی کو معلوم ہے۔ تمبر......‘‘

برسات کی گرم‘ مرطوب ہوا ان کے بال اڑاتی رہی۔

’’اس کے باوجود یہاں سبزہ و خنک ہے اور خاموش!...... یہاں پر سکون ہے۔‘‘ اس نے آہستہ سے کہا۔

’’سکون سکون سکون۔ سکون کہاں پر ہے؟‘‘ نجمی نے آزردگی سے سوچا۔ پھر اس نے شگفتگی پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھی: ’’کچھ نئے شعر ہوئے؟‘‘

وہ خاموش رہا۔

’’کچھ بھی نہیں؟‘‘ اس نے بشاشت سے پوچھا ’’کوئی اوٹ پٹانگ نظم؟ یا بیت یا دوہا یا......‘‘

وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ کچھ بھی نہیں سن رہا‘ شاید کچھ بھی نہیں دیکھ رہا۔ محض آنکھیں

کھولے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اس نے رنج کے مارے منہ پھیر لیا۔

''میں ناشتہ کرتا ہوں' پریڈ دیکھتا ہوں' دوپہر کا کھانا کھاتا ہوں' سو جاتا ہوں۔ سہ پہر کی چائے پیتا ہوں' اخبار پڑھتا ہوں' یہاں آ جاتا ہوں اور ٹیلی فون کا انتظار کرتا رہتا ہوں۔ میں ان سب سے واقف ہوں۔ پچھلی بہت سی زندگی ایسا ہوتا آیا ہے۔ کل بھی ٹھیک ایسا ہی ہو گا اور پرسوں اور اترسوں...... میں ان سب سے پہلے ہی واقف ہوں' اپنے سارے روزنامچے' سارے اوقات سے اتنی اچھی طرح واقف ہوں۔ آپ لوگ ایلیٹ کی بات کر رہے تھے؟''

''میں نے اپنی زندگی کافی کے چمچوں سے ماپ کے رکھی ہے۔''

''ہاہا۔ تم میرے دل کی بات کیسی آسانی سے جان لیتی ہو۔''

''برمن جی کہہ رہے تھے کہ وہ جو بڑے آرٹسٹوں میں سچائی کو جاننے کی جبلی قوت ہوتی ہے نا مجھ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔'' عجمی نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

''برمن جی؟'' مسعود نے دھیان سے ہاتھ اٹھا کر اس کی پشت پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ میں ہوں۔ میں حقیقت ہوں۔'' وہ زیر لب گنگنایا۔ پھر وہ چلتا چلتا رک گیا۔

''تم تصویروں میں دلچسپی کیوں لیتی ہو؟'' اس نے تقریباً درشتی سے پوچھا۔

''کیوں لیتی ہوں؟''

''ہاں! [illegible] تم تصویروں میں دلچسپی...... ایں؟''

وہ سراسیمگی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ ذرا نرم پڑ گیا۔

''دنیا میں اور کچھ بھی نہیں ہے جیسے۔ کیوں۔ کچھ ہے؟''

''مثلاً۔''

''مثلاً میں۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ وہ اس کے لمبے ڈھنگے سائے میں چھپ گئے۔

''تم؟''

''ہاں میں۔ اور میں ایک حقیقت ہوں۔ میں کوئی کہانی یا رومانس نہیں ہوں۔ تم نے کبھی میری موجودگی کو محسوس کیا ہے؟ تم نے کبھی سوچا کہ میں یہاں محض تمہارے لئے آتا ہوں اور ٹیلی فون کا انتظار کرتا رہتا ہوں۔ تم جو تصویریں بناتی رہتی ہو اور......'' اس نے غصے سے ہاتھ ہلایا۔

چند طویل لمحے سکتے میں گزر گئے۔

''اوہ......'' پھر عجمی نے گہرا سانس چھوڑا۔ ''بس یہ بات ہے؟ اتنی بار بتا چکے ہو' پھر پھر کیا ضرورت؟''

''تو پھر؟'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔

''ارے بھئی کوئی اور بات کرو۔'' عجمی نے اکتا کر کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ ''تم تو اتنے دلچسپ آدمی

ہو سکتے ہو اگر چاہو تو...... مسعود۔"

اس نے جیبوں سے ہاتھ نکال کر پیچھے باندھ لیے اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ برآمدے تک جا کر وہ پلٹ آئے۔ مسعود تیز' لیکن معمولی لہجے میں جس میں ہلکا سا تاسف کا رنگ تھا' باتیں کرنے لگا۔

"یہ سب بکواس ہے عجمی۔ یہ سارا آرٹ اور ادب تمہاری دنیا میں فیشن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ نہ تم آرٹسٹ ہو نہ میں شاعر ہوں۔ تمہارا وہ بڈھا استاد بھی محض پیشہ ور کاریگر ہے جو ایسے گھرانوں میں ڈرائنگ کے اصول پڑھا کر روزی کماتا ہے۔ ہم سب چھوٹے چھوٹے معمولی آدمی ہیں جو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ لطیف جذبات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور محبت! ہنہ' ہم محض اپنے آپ کو سنبھالے احتیاط سے زندگی بسر کر رہے ہیں...... محض"

عجمی نے ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت' نہ چاہنے کے باوجود' اس کے دل میں مسعود کے خلاف پرانا تعصب بیدار ہوا۔ کہ وہ ان میں سے نہیں تھا' کہ سارے لوگوں' ساری چیزوں کے بارے میں اس کا رویہ اس کی ساری تربیت قطعی مختلف تھی۔ اور وہ اپنے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

"میرا جی چاہتا ہے عجمی کہ ایک کتاب لکھوں جس میں کردار اپنی بات چیت کے دوران پرانے آرٹسٹوں' پرانے ادیبوں کا تذکرہ کریں' جیسے...... مثلاً دوستووسکی کے کردار گوگول کا ذکر کرتے ہیں یا...... لیکن ہم کن کا ذکر کریں گے؟" اس نے غور سے ہتھیلی میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس کیا ہے؟"

"[illegible] باقی سب لوگوں کے پاس لوٹ آئی۔

برمن جی نے اس کا کینوس پلٹ کر اپنی جگہ واپس رکھ دیا۔ "سمجھ نہیں آئی۔" انہوں نے آہستہ سے سوال کیا۔ یہ سوال سب کے سروں پر ایک دم پھٹ پڑا اور وہ خاموش ہو گئے۔ انہیں خیال ہوا کہ وہ اس وقت کا سر شام سے انتظار کر رہے تھے کہ جب وہ اپنی لاتعلقی اور بشاشت قائم رکھنے کی ساری کوشش چھوڑ کر اطمینان سے بیٹھ جائیں گے۔ چند ایک نے گہری طمانیت محسوس کی' چند ایک بے چین ہو گئے۔ مسعود آ کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آپ جانتے ہی ہیں حالات خراب ہو رہے ہیں۔ بٹوارہ ہونے والا ہے۔ شاید فساد بھی ہو جائے۔" اس نے معمولی انداز میں برمن جی سے کہا۔

وہ ششدر کھڑے سب کا منہ دیکھتے رہے۔

"وہ اور سنگر میں مکمل ہو جاتی۔" عجمی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں سنڑ کا تو مسوری میں انتظار ہو رہا تھا۔" دوسرے کونے سے فرحت نے' جو ابھی ابھی پہاڑ سے لوٹی تھی' بات کرنے کی کوشش کی۔

لیکن سب خاموش تھے۔ دھماکے سے پھٹنے والی خاموشی کے درمیان ہر ایک اپنے آپ کو بے حد متفکر محسوس کر رہا تھا۔ جب کوئی خاموشی کو توڑنے کی کوشش میں کوئی غیر ضروری سی بات کرتا تو سب چپ چاپ اس کی

طرف دیکھنے لگتے' جو کہ عام طور پر ان کے درمیان سخت معیوب خیال کیا جاتا تھا۔

''آپ بھی تو ہندو ہیں۔'' مسعود نے کہا۔

''میں...... آں؟'' برمن جی بوکھلا گئے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کے عمر رسیدہ چہرے پر اداسی پھیل گئی۔ ہاتھ ہوا میں اٹھا کر وہ آہستہ آہستہ بولے: ''میں اگر تمہارے گھرانے میں پیدا ہوا ہوتا تو یقین کرو کہ اسی جوش و خروش' تعصب اور ایمان کے ساتھ تمہارے مذہب کی پیروی کرتا اور اس کی خاطر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا۔ تم بتاؤ اگر میرے گھر میں پیدا ہوئے ہوتے تو کیا میرے ماں باپ کے مذہب کے لئے وہ سب کچھ نہ کرتے جو اب اپنے مذہب کے لئے کر رہے ہو۔ ہمارے مذہب کی بنیاد کیا ہے؟ اتفاق؟''

''ہنہہ ہنہہ......'' مسعود صرف طنز سے ہنسا۔

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ صرف ہوا درختوں میں چل رہی تھی اور سبز ہلب آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔ طشتریوں میں آم کی قاشیں پڑی تھیں۔ کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ اٹھ کر چلا جائے کوئی اجازت ہی لیتا۔ کبھی کبھی کوئی ایک کہیں سے بے سروپا سی بات کر دیتا اور بس۔

پھر اچانک مسعود اپنے تیز' معمولی لہجے میں بولنے لگا:

''دکھ اہم نہیں ہیں۔ زندگی میں ہم جو بھگتتے ہیں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اہم صرف یہ ہے کہ ہم اپنے ''آئیڈیلز'' کے [illegible] ہیں؟ تکلیفیں ہم میں کوئی تبدیلی نہیں لاتیں' وہ گزر جاتی ہیں۔ وہ نہ ہمیں بہتر انسان بناتی ہیں نہ بدتر۔ کیونکہ جب ہم خوش ہوتے ہیں تو گزشتہ دکھوں کو بھول جاتے ہیں۔ اس وقت ہم محض خوش ہوتے ہیں۔ اس لمحے میں صرف ایک جذبہ ہمارے پاس ہوتا ہے' مسرت کا' اور ہم پوری فتح مندی' پوری لاپروائی کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ خیالات۔ 'یہ' ہے جو کہ اہم ہے' کہ تم کیا 'سوچتے' ہو' صرف یہی تم کو اور سوسائٹی کو تبدیل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ تکلیفیں تم نے اتنی برداشت کیں' ٹھیک۔ پھر؟ وہ تو میں نے بھی کیں جناب' آپ نے کون سا تیر مارا۔ یہ تو کوئی ایسی مشترکہ قدر نہ ہوئی جس کی بنا پر تعلقات استوار کئے جا سکیں۔ ہمارا آپس کا رشتہ تو 'خیال' پر ہے' کہ ہم 'سوچ' کیا رہے ہیں؟ کس چیز کی تلاش میں ہیں؟ کیا ڈھونڈ رہے ہیں یا...... اوہ شاید خیالات بھی اہم نہیں ہیں۔''

''میرے نزدیک سوچ کی مقدار کی بجائے غم کی مقدار پر کسی بشر کی وقعت کا اندازہ کیا جانا چاہیے۔'' اس کے خاموش ہو جانے پر برمن جی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''تم...... تم کیا جانتے ہو؟ ڈرائنگ ماسٹر۔'' مسعود نے اسی تیز' معمولی لہجے میں کہا جس سے کسی رنجش کا اظہار نہ ہوتا تھا۔ غصے اور رنج کے مارے نجمی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''لیکن دکھ' ٹھہرو' ان کے بارے میں شاید میں کچھ بتا سکتا ہوں۔'' مسعود نے کہا۔ ''دکھ ہمارے ماضی میں ہے اور مستقبل میں ہے۔ نہیں بلکہ موت ہے۔ ہمارا ماضی اور مستقبل مردہ ہے۔ اور جب ہم موت کو بہت قریب

سے دیکھنا چاہتے ہیں تو اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ موت کے منہ میں چلے جانا ایک بات ہے اور موت میں مبتلا ہو جانا بالکل دوسری بات ہے اور یہ ہے جو تکلیف دہ ہے۔ وہ لمحہ جو گزر گیا زمانہ ماضی ہے' جو آنے والا ہے مستقبل میں شامل ہے۔ یہ دونوں ہمارے وجود کے حصے ہیں اور مردہ ہیں۔ جب ہم ان کو حال کے گزرتے ہوئے لمحے میں کھینچ کر لانا چاہتے ہیں تو موت کو زندگی پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ موت کبھی ساری زندگی پر مسلط نہیں کی جا سکتی' لیکن ان کی باہمی شرکت سے ایک نیم مردنی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو زندگی پر حاوی ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ابتلائے مرگ کا عمل شروع ہوتا ہے۔ ہم سب ماضی اور مستقبل میں رہ رہے ہیں۔ حال میں کوئی رہنا نہیں چاہتا۔ ہم ایک عظیم موت میں مبتلا ہیں جو ذہن اور روح کی موت ہے۔ مکمل' ثابت و سالم موت تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ ہم تکلیف اس لئے سہتے ہیں کہ ہر وقت اپنے مردہ حصے کو زندہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور وہ' جو کہ درحقیقت زندہ ہے' اس کی پروا نہیں کرتے کیونکہ جو زندہ ہے وہ صرف حال کا گزرتا ہوا لمحہ ہے۔ ہم زندہ ہیں اور یہاں پر موجود ہیں محض اس واسطے سے کہ ہم باتیں کر رہے ہیں' انتظار کر رہے ہیں' سو رہے ہیں یا کام کر رہے ہیں' مکمل طور پر حال کے گزرتے ہوئے لمحے میں کھوئے ہوئے مجذوب! محض کے لئے یہ اہم نہیں ہے اور بہت سوں کو اس کا علم ہی نہیں ہے۔ ہم اس قدر غیر یقینی طور پر دنیا میں رہتے ہیں کہ اپنے لئے دکھوں کا ایک عظیم سبب پیدا کر لیتے ہیں کیونکہ ہم میں سے بہت سوں کے نزدیک ہم زندہ ہیں اس واسطے سے کہ ہمارا ایک ماضی ہے اور مستقبل ہے' محض اس واسطے سے! ہم آگے اور پیچھے دیکھتے ہیں ... ہمارے سامنے ہے' اور بس! ہمارا ماضی اور مستقبل ایک بہت بڑا وسوسہ ہے جو مردہ ہے' ہمارا غیر حقیقی وجود ہے' اور غیر وجود سے وجود کی طرف آنے میں جو محنت درکار ہوتی ہے وہ ہمارے لئے ایک عظیم اور لاحاصل دکھ کا باعث بنتی ہے۔ ہم اکتا چکے ہیں' بے چین ہیں' ذہنی اور روحانی ابتری کی حالت میں ہیں' محض اس لئے کہ ہم زندہ نہیں ہیں' نیم زندہ ہیں۔ ساری بات یہ ہے۔

''ٹھیک ہے۔ موت بہرحال موجود ہے' میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اہم نہیں ہے۔ مکمل' ثابت و سالم موت ایک بے حد قدرتی اور آسان عمل ہے اور اسی طرح آتی ہے جیسے نیند یا محبت یا بھوک۔ صرف ایک منقسم موت تکلیف دہ ہے۔ منقسم لمحہ! حال کا مکمل لمحہ مکمل زندگی اور مکمل موت پر محیط ہے۔ یہ زندہ ہے اور تم اس کے ساتھ زندہ ہو' یہ مرتا ہے اور تم اس کے ساتھ مر جاتے ہو۔ اگلا لمحہ پیدا ہوتا ہے اور تم اس کے ساتھ نئے سرے سے پیدا ہوتے ہو' نئی زندگی میں' نئی موت کے لئے۔ ہر نئے لمحے کی پیدائش پر تم زندگی کے پُر امید اور روشن نومولود ہو' اس لئے کہ تم آگے اور پیچھے نہیں دیکھتے صرف سامنے دیکھتے ہو۔ تمہیں کچھ یاد نہیں ہے...... دنیا نے تمہارے ساتھ کتنی بدعہدی کی' لوگوں نے تمہیں کتنا سراہا' کتنی دور اندیشی' کتنی خود غرضی سے کام لیا...... تمہارے پاس کوئی فہرست نہیں ہے۔ تم کچھ یاد نہیں رکھتے' کچھ فراموش نہیں کرتے۔ محض یہاں موجود ہو' زندگی کی ساری مسرت' سارے درد کو جانتے ہوئے زندہ ہو۔ یہ لمحہ تم اور میں۔ دوسرا لمحہ' دوسرے 'تم' اور دوسرا 'میں'۔ اور پھر موت آتی ہے۔ لیکن اب اس کی کوئی اہمیت نہیں' اب یہ محض ایک اور لمحہ ہے جس کا سامنا کرنے کے لئے تمہارے پاس وہی پرانا رویہ ہے جو ہمیشہ سے

تمہارے پاس تھا۔ انتظار' انتظار کے دھڑکے کے سوا۔ اور اک' اور اک کی اذیت کے سوا۔ تم نے بیشمار بار اس کا سامنا کیا ہے۔ تم اس کو پہلے سے ہی جانتے ہو۔ تم اسے گزر جانے دیتے ہو' پیچھے کوئی نشان' کوئی یادداشت چھوڑے بغیر۔ ایک مکمل تجربہ۔ غیر منقسم لمحہ۔ مکمل موت۔ مکمل محبت۔ اگلا لمحہ؟ تمہارے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ آتا ہے یا نہیں۔ کبھی نہ تھی۔ یہ اصل زندگی ہے' سنا تم نے؟ کیا تمہارے دکھ کا دوسرا نام حماقت ہے؟ بتاؤ.....

''تمہیں پتا ہے انسانوں کے درمیان کتنی بیزاری' کتنی کلفت ہے۔ کتنا درد' ابتری' زندگی کے خالی اور لاحاصل ہونے کا احساس! ہم چھوٹے چھوٹے لوگ ہیں لیکن ہمارے اتنے بڑے بڑے غرور ہیں' بڑی بڑی خود پرستیاں اور خوش فہمیاں ہیں۔ تم نے کبھی سوچا ہے کہ اگر ہم ایک پل کو اپنے تکبر کو پرے رکھ دیں تو کتنی محبت کر سکتے ہیں۔ میں اپنی چھوٹی سی بے مقصد زندگی اسی فراغت اور دور اندیشی کے ساتھ گزار دوں گا جس طرح دنیا میں اور کروڑوں انسان روزانہ پُرقناعت اور بے فائدہ زندگیاں گزار رہے ہیں' اسی میکانکی' بے معنی طور پر جیسے کہ مکھی یا مچھر گزارتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ بتاؤ۔'' وہ اٹھ کر برجس کی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ''بتاؤ۔ اس ڈھونگ کا کیا مطلب ہے۔ آخر کیا مطلب ہے؟ بتاؤ۔

''میں بتاؤں؟ سنو۔ ہم اپنی اپنی ننھی کوٹھریوں میں رہتے ہیں جن کے دروازوں کی درزیں اور روشن دانوں اور کھڑکیوں کے سوراخ ہم نے احتیاط سے بند کر دیے ہیں اور ان میں محصور ہو کر اپنی عقل' اپنے ایمان' اپنے تعصب' [illegible] ہیں اور ہم ان میں [illegible] کوئی توڑ نہیں سکتا۔ لیکن..... تم جانتے ہی ہو کہ دیواروں کی کیا وقعت ہے۔ ہم بھیڑوں کے گلے کی طرح ایک مشترکہ حماقت میں بندھے ہوئے ہیں۔ مشترکہ بدبختی میں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اس لئے کہ میں 'سوچتا' ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں سارے لوگوں سے محبت نہیں کرتا اس لئے کہ میں 'سوچتا' ہوں کہ سارے لوگوں سے محبت نہیں کر سکتا۔ نتیجہ: میں کسی سے محبت نہیں کرتا۔ میں اپنے نظریات سے' اپنی عادات و خصائل سے' کبرِ نفس سے' اپنے ضدی پن سے' اپنی ساری تربیت سے اپنے آپ سے محبت کرتا ہوں۔ تم .....'' وہ کرسی میں بیٹھی ہوئی حیرت زدہ عجمی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ''تم ایک خوبصورت لڑکی ہو۔ تم ایک شاندار اور دلکش شے ہو۔ ہر وقعہ جب میں تمہارے ایسی کسی لڑکی کو دیکھتا ہوں مجھ پر ایک عجیب حرص غلبہ پا لیتی ہے' حاصل کرنے کی' قبضے میں کرنے کی' Invest کرنے کی' جیسے نفع بخش کاروبار میں روپیہ لگایا جاتا ہے' طمانیت کی نہایت سطحی خوشی حاصل کرنے کی حرص۔ اور اسی لمحے' جانتی ہو' تم میرے لئے 'تم' نہیں رہتیں' پھر تم فلاں بنت فلاں نہیں رہتیں' پھر تم کیا بن جاتی ہو؟ کچھ بھی نہیں۔ پھر کچھ بھی نہیں رہتا' صرف میں رہ جاتا ہوں اور میری پرانی حرص' میری خود پرستی' میرا گھمنڈ' میری ضد رہ جاتی ہے۔ پھر وہی رہ جاتا ہے جو ہمیشہ سے تھا۔ میں اور میرے مختلف جذبے۔ اب تم اہم نہیں ہو' کچھ بھی نہیں ہو' زیادہ سے زیادہ ایک بدصورت لڑکی ہو جس سے میں نفرت کرتا ہوں۔ اب نفرت اوپر آ جاتی ہے اور حیوانی جذبے۔ اب محبت کہیں نہیں ہے۔ صرف میری گزشتہ اور آنے والی زندگی کا عکس ہے جو میرے سامنے ہے' تم نہیں ہو۔ دفعتاً..... لیکن یوں محسوس

UrduPhoto.com

ہوتا ہے کہ ایک گزشتہ وحشی اور لمبی تیاری کے بعد...... میں محبت کرنے کی تمام اہلیت کھو دیتا ہوں۔ درحقیقت میں کہیں رہتا ہی نہیں ہوں۔ جو رہ جاتا ہے وہ صرف یہ ہے: میرا سارا پس منظر اور میری خواہشوں اور تمناؤں کی فہرست۔ ہر ایک جرم کے گزر جانے پر میری ضد' میری خواہشیں مضبوط تر ہو جاتی ہیں۔ اب وہ وقت آتا ہے جب کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب میں کسی لڑکی سے' وہ کوئی سی بھی ہو' شادی کر لوں گا اور ایک قانع' مطمئن اور احمق شخص کی طرح زندگی بسر کرنے لگوں گا۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ صرف اغراض و مقاصد رہ جائیں گے۔ اب 'میں' اور 'تم' اہم نہیں ہیں۔ جو اہم ہے وہ یہ ہے: روزگار مہیا کرنا' اور نیا فرنیچر اور فالتو وقت میں سوشل کام۔ دعوتوں پر جانا اور بدلے میں دوستوں کو مدعو کرنا' غرضیکہ شادی کے نتائج کو خالصتاً مادی فوائد کی شکل میں حاصل کرنے کی توقع کرنا۔ جاڑے کی طویل شامیں ایک دوسرے کی معیت میں پڑھتے ہوئے یا موسیقی سنتے ہوئے گزارنے اور نئے لباس خریدنے' یا باورچی خانے کی نگہداشت کرنے اور سالگرہوں پر ایک دوسرے کو تحفے دینے کی نہایت معمولی خوشیوں کو اب ہم ایک بہت ہی اہم [illegible] سمجھنے لگتے ہیں' جیسے روپیہ پیسہ یا دوسری جائداد اکٹھی کی جاتی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ جو ہم بچوں میں اتنے انہماک سے دلچسپی لے رہے ہیں یہ بھی اپنی گم شدہ شخصیت کے نقصان کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے' محبت میں ہماری ناکامی کے سبب سے ہماری 'ڈس الوژن منٹ' ہے۔ ہم اپنی سطحیت کو طمانیت میں' اپنے احمق پن کو قناعت میں اور اپنی روحانی نامردی کو تن آسان زندگی کی کوتاہی [illegible] سناتم بیگم' پھر ایسا ہوتا ہے۔" اس نے ایک لمبا سانس لیا اور کندھے اچکا کر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ تیز' زہریلے طنز کے ساتھ بولا۔

"اب ہماری زندگی شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد سے ہم ایک نظام کی پیروی کرنے لگتے ہیں' اس نظام کی خاطر زندہ رہتے ہیں۔ گھر کا نظام...... دن بھر کے چار کھانے اور ان کے اوقات' بچوں کے لئے کھانے کی میز کا سلیقہ' سونے اور جاگنے کے اوقات...... گھر کا نظام۔ اور سوسائٹی کا نظام اور ملک کا نظام اور مذہب کا نظام۔ یہ ہمارے لئے از حد اہم ہے کہ کسی نہ کسی ذریعے اپنی شخصیت کا اظہار کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ جب ناظم اعلیٰ پکارتا ہے: "آؤ' ادھر آؤ' یہ ملک ہے۔ یہ سوسائٹی ہے' یہ ایک عظیم ترشے ہے۔" تو ہم اس سے ایک عظیم روحانی تقویت حاصل کرتے ہیں اور اپنی سطحیت کے کچل دینے والے احساس سے بچ نکلنے کا بہترین راستہ۔ پھر نظام اہم ہو جاتا ہے۔ سوسائٹی کو اور تعزیرات کو اہمیت حاصل ہوتی ہے' تم کو اور مجھ کو نہیں۔ پھر سوسائٹی 'مجھ' کو اور 'تم' کو بناتی ہے' میں یا تم سوسائٹی کو نہیں بناتے۔ ہم خود اپنی فراغت کے لئے اپنی شخصیت کو ہمیشہ کے لئے کھو دیتے ہیں۔ اور پتا ہے اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟ خود غرضی! میرا مطلب کیا دیکھتے ہو۔ اب تم اتنے کند ذہن ہو چکے ہو کہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ جب انسان مرد اور عورت' اپنی انفرادیت کو کھو دیتے ہیں تو پھر جماعت اوپر آ جاتی ہے۔ اور سوسائٹی۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ سوسائٹی میں اس وقت سب سے بڑی طاقت لوگ نہیں ہیں' اغراض و مقاصد ہیں۔ اس نظام کے بنانے میں سب چیزیں مدد کرتی ہیں۔ ہمارے اصول' ہماری 'ڈس الوژن منٹ' ہماری سطحیت اور ازلی حماقت کا احساس' سب اچاٹ

ہو اس وقت انسانوں کی سوسائٹی میں سب سے جاندار قوت امارت یا غربت یا قومیت یا مذہب یا کمیونزم نہیں ہے خود غرضی ہے۔ منظم و منور خود غرضی۔ مستقبل انسانی کو ہم اپنا آپ محض چند مخصوص قوموں یا جماعتوں یا نسلوں یا سوشل ورکر گروپوں کی صورت میں پیش کر دیں گے جن میں تمیز کرنے کے لئے ان پر مختلف قومیتوں یا مذہبوں کے عنوان لگے ہوں گے۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ ہمارے لئے اس دہشت ناک جنگل میں اپنی حفاظت کی خاطر جتھے اور غول بنانا ناگزیر ہو گیا ہے۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔ اس طرف۔'' اس نے بازو سے اشارہ کیا۔ سب نے اچانک مشرق کی سمت میں دیکھا جہاں اندھیرا تھا اور شہر کی روشنیاں تھیں۔ ''ایک غول دوسرے غول پر جھپٹ رہا ہے یا جھپٹنے والا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صرف ہم واپس جا رہے ہیں۔ اس طرف ......'' اس نے دوبارہ موہوم سا اشارہ کیا جس سے کسی سمت کا تعین نہ کیا جا سکتا تھا۔ سب خاموش بیٹھے رہے۔ صرف بادامی رنگ کا کتا پتوں کے ڈھیر پر سے انگڑائی لے کر اٹھا اور گھاس پر چھوٹے چھوٹے قدم رکھتا ان کے قریب آ کر جمائیاں لینے اور مسخروں کی طرح برساتی پتنگوں کا پیچھا کرنے لگا۔ ان کے چاروں طرف رات کی پراسرار خاموش آوازیں پھیل رہی تھیں۔ ہوا درختوں میں اسی طرح مدھم اور مسلسل چلے جا رہی تھی۔

''آج ہو کہیں بھی نہیں ہے ہمارا ضمیر یا مذہب یا احساس ذمہ داری نہیں' ہماری تخصیص ہے۔ ہم جو کھو چکے ہیں ضائع کر چکے ہیں ہماری انفرادیت ہے۔ آج فرد کہیں نہیں ہے' محض غول ہیں۔ تم جانتے ہو آج جو خوفناک احساس [illegible]

''میں کچھ نہیں جانتا۔ تم کوٹھری میں رہنے والوں اور غول بنانے والوں کو ایک ساتھ ناپسند کرتے ہو۔ میں سمجھتا ہوں تم محض لوہا اگل رہے ہو۔'' برمن جی نے اکتا کر کہا۔

''دونوں احساس تنہائی کے شکار ہیں' کھو چکے ہیں۔ گمشدہ ہیں۔ جو گمشدہ نہیں ہیں وہ کھڑکیاں اور روشن دان کھول دیتے ہیں تاکہ روشنی اور ہوا اندر آ سکے۔ اور کھڑکی میں سے جھک کر راہ چلتوں کو سلام کرتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور جب بلائے جاتے ہیں تو دروازے کھول کر باہر نکل آتے ہیں۔ وہ لوگوں کی باتیں سمجھتے ہیں اس لئے بے خوف ہیں اور آزادی سے گھومنے پھرنے کے بعد واپس چلے جاتے ہیں۔'' مسعود نے کہا۔

لیکن برمن جی کے بات کرنے سے کافی عرصہ ٹوٹ چکا تھا۔ اب وہ اٹھ رہے تھے اور جلد جلد خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو رہے تھے۔ آخر میں صرف نے' خالد' نجمی اور مسعود رہ گئے۔ نجمی اٹھ کر سبزے پر احتیاط سے چلتی ہوئی پتوں کے ڈھیر کے پاس جا کھڑی ہوئی اور اس پر پاؤں پھیرنے لگی۔ وہ مسعود کی بے ربط اور بظاہر بے معنی تقریر سے مرعوب نہ ہوئی تھی۔ اس کے برعکس اس کے ذہن میں مسعود کی گھٹیا تربیت اور اس کے طبقے کا احساس تیز ہو گیا تھا۔ اب وہ وہاں کھڑی اسے یکسر بھلا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ غیر ارادی طور پر اس نے سوچا کہ وہ اس شخص سے مل کر کبھی بہت زیادہ خوش نہیں ہوئی' نجانے کیسے وہ ان کے حلقے میں شامل ہو گیا تھا۔ اس نے ناگواری کے ساتھ چند ماہ پہلے کی وہ شام یاد کی جب وہ پہلی بار نسر کی بڑی بہن اختر کے ساتھ روشن محل آیا تھا اور گو اس کے چلن

منظر کے متعلق کسی کو علم نہ تھا اور گو یہ معمول کے مطابق نہ تھا پھر بھی اس کی سنجیدگی اور صاف ستھرے مذاق کو دیکھ کر اسے اس خاص الخاص حلقے میں قبول کر لیا گیا تھا۔ وہ سردیوں کی بارش آلود شام تھی اور اندر نے اپنی سریلی آواز میں بھجن سنائے تھے۔ میں تو گردھر آگے ناچوں گی...... اور اے ری میں تو پریم دیوانی...... اور نجمی نے پیانو پر اس کا ساتھ دیا تھا۔ اندر بالا۔ جانے اب کہاں ہے۔ اپنے شوہر کے ساتھ جنوبی ہندوستان میں کسی جگہ۔ اتنے اچھے اچھے دوست چلے جاتے ہیں۔ کیوں؟

اس نے محسوس کیا کہ وہ اس کی پشت پر کھڑا ہے اور وہ دفعتاً خوفزدہ ہو گئی۔ تیزی سے چند خیالات اس کے ذہن میں سے گزرے۔ جانے کس قسم کا آدمی ہے۔ اب کیا کرے گا۔ مجھے قتل کر دے گا؟ خدایا' یہ کمبخت لوگ...... اسے اپنے آپ پر بے حد غصہ آیا لیکن وہ کھڑی رہی۔ صرف اس کا پاؤں رک گیا اور پتوں کے ڈھیر پر پڑا آہستہ آہستہ کپکپانے لگا۔

ذرا بدلے ہوئے انداز میں مسعود بولنے لگا: "بے شک تم میرے لئے انتہائی پرکشش ہو۔ مگر جانتی ہو یہ کشش محض اس وجہ سے ہی نہیں کہ تم ایک خوبصورت لڑکی ہو' اس لئے بھی ہے کہ تم روشن محل میں پیدا ہوئی ہو۔" وہ رکا۔ "میری ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ ہمارا ایک ایسا گھر ہوتا' قدیم وضع کا' لمبے لمبے ستونوں اور ہال کمروں والا' روغنی تصویریں جن میں نفیس داڑھیوں والے بڑھے مرصع لباس پہنے تلواریں لگائے وائسرائے یا گورنر کے ہمراہ کھڑے ہوتے ہیں اور [illegible] کے نشانات جو اس گھر میں پیدا ہونے والے ہر بچے میں شروع دن سے اعلیٰ اور نفیس قسم کا احساس برتری پیدا کر دیتے ہیں۔ تین پشتوں سے سینہ بہ سینہ چلتا ہوا احساس برتری۔ میرے آباؤ اجداد؟ ہنہ۔ کہاں سے آئے' کون تھے' کہاں گئے کچھ پتا نہیں۔ آج میں اپنے لئے ایک مکان بنا سکتا ہوں مگر دیو قامت کہنہ سال دیوار اور برآمدوں پر لدی ہوئی بیلیں اور روغنی تصویریں' یہ سب جو تمہارے طبقے کے نشانات ہیں کہاں سے آئیں گے؟ اوں ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں ان باتوں سے بہلنے والا نہیں جناب۔ میں تو ایسے گھر میں 'پیدا' ہونا چاہتا تھا' 'تیسری نسل' ہونا چاہتا تھا۔ میں وہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا جو تم نے ورثے میں پایا ہے۔ تمہاری نفاست' تمہارا دماغ' تمہارا اخلاق' تمہاری تعلیم اور تربیت' ارسٹوکریسی کی تمام مرکب نعمتیں' سب...... میں تم سے حسد کرتا ہوں۔ میرے دل میں تمہارے لئے ویسی 'سلگتی ہوئی رقابت' ہے' اور بس۔ آخر میں اپنے ماضی سے بچ کر کہاں جا سکتا ہوں۔"

ٹھنڈے دل سے سوچا جاتا تو مسعود کی باتوں پر شاید کسی کو غصہ نہ آتا۔ لیکن نجمی کے پاس اس کے لئے محض حقارت تھی' وہ جذبہ جو انسان کے دل میں ایک چھوٹے سے جانور کو اپنے مقابلے پر کھڑا ہوتے دیکھ کر پیدا ہوتا ہے' جس میں غصہ' حقارت' خوف' سب ہی کچھ ہوتا ہے۔

وہ مڑی اور سیدھا اس کے چہرے پر دیکھ کر بولی: "مسعود تم اب...... اب جاؤ...... ابھی۔"

وہ چند لمحے تک خالی خالی نظروں سے نجمی کو دیکھتا رہا جو اب اس کی طرف پشت کر کے کھڑی ہو گئی تھی۔

پھر اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف' تقریباً بے نام اداس مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ اس نے کندھے اچکائے اور الوداع کے بغیر باہر نکل گیا۔ اس کا بدامی رنگ کا کتا چھوٹے چھوٹے مستعد اور وفادار قدم رکھتا ہوا ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔

نجمی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر فے اور خالد' جنہوں نے حیرت کے ساتھ یہ سب دیکھا تھا' سبزے پر سے اٹھے اور بے تکلفے ہشاش بشاش چہرے اس کی طرف موڑ دیئے۔ پھر جلدی سے الوداع کہہ کر وہ بھی رخصت ہو گئے۔

جب وہ اکیلی میز پر بیٹھی آہستہ آہستہ پاؤں ہلا رہی تھی تو کسی نے جلدی سے آ کر اطلاع دی کہ مسعود میاں کا فون آیا ہے۔

''وہ جا چکے ہیں۔'' اس نے میکانکی انداز میں کہا۔

پھر اس نے وہل کر شرق کی طرف دیکھا جہاں اندھیرا تھا اور شہر کی روشنیاں تھیں اور رات کی پُراسرار آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

(۴۴)

UrduPhoto.com

نعیم اٹھ کر سیڑھیوں کے اوپر آ کھڑا ہوا۔ اس کے ماتھے اور آنکھوں پر روشنی پڑ رہی تھی اور نچلا چہرہ سائے میں تھا۔ خون [illegible] اور اس کے [illegible] کی لکیریں تھیں۔ نجمی اس کی طرف پشت کئے' دونوں ہاتھ گود میں رکھے بے ترتیب کرسیوں' میزوں' بیڈمنٹن کے ریکٹوں' اخباروں' شربت کے گلاسوں اور آم کی قاشوں اور چھلکوں کے درمیان اکیلی میز پر بیٹھی تھی۔ اس کے بڑے سے سر اور تنگ' نازک پشت میں کوئی حرکت نہ تھی۔ ہوا تھم چکی تھی اور رات میں غیر معمولی بے چینی اور دور کا ہلکا ہلکا شور تھا۔ نعیم نے ستون پر سے ہاتھ اٹھایا اور سیڑھیاں اتر کر آہستہ آہستہ لان کی طرف بڑھا۔

نوکروں کے جھرمٹ میں رہنے کی عادی نجمی نے اسے اپنے پیچھے چلتے ہوئے سنا اور نظر انداز کر دیا۔ نعیم بکھرے ہوئے سامان کے درمیان چلتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس وقت نجمی اسے دیکھ کر چونک پڑی۔ وہ ذرا سی پشت موڑے' کرسی کے بازو کا سہارا لئے اُسی انہماک سے سبزے پر دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح نجمی کو دور کی خوشی کا احساس ہوا۔ اس کا یہ رشتے کا بھائی جسے وہ مدت سے جانتی تھی اور چاہنے کے باوجود جس کے بہت زیادہ نزدیک وہ کبھی نہ ہو سکی تھی' اس کے لئے ایک پُراسرار' پُرکشش دوری کا حامل تھا۔ اس سے جب بھی وہ ملی اسے محسوس ہوا کہ اپنے نرمی اور خوش خلقی کے رویئے کے باوجود وہ ایک بالکل الگ' بیگانہ ہستی تھی جس کے ساتھ بے تکلفی کی نوبت کبھی نہ آ سکتی تھی۔ اس کے باوجود وہ واحد شخص تھا جس کے بارے میں وہ ہمیشہ اپنے قدرتی طبقاتی تاثرات سے آزاد ہو کر سوچتی تھی۔ اس بات کا بھی اسے علم تھا کہ اس ادھیڑ عمر خوبصورت شخص سے جو اس کا نزدیکی رشتہ دار تھا' مل کر وہ ہمیشہ خوش ہوتی تھی اور اس کو خوش کرنے کی بھی ناقابلِ بیان خواہش محسوس کرتی تھی۔

نعیم نے جھک کر لپٹا ہوا کینوس اٹھایا اور اسے کھول کر دیکھنے لگا۔

''سر کا پورٹریٹ ہے۔'' وہ چھلانگ لگا کر میز سے اتری اور بچوں کی طرح تیز تیز آنکھیں اس کی طرف اٹھا کر بولی۔ ''آپ سر کو جانتے ہیں نعیم بھائی؟ سر بالا۔''

''سر بالا؟ ہاں۔''

''وہ آج نہیں آئی۔'' نجمی نے اداس ہو کر کہا۔

''وہ آج نہیں آئی۔ اچھا؟''

نعیم نے دہرایا۔ پھر وہ بلاوجہ آہستہ سے ہنسا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ نجمی اس کے سامنے میز پر چڑھ کر بیٹھ گئی اور شکایتی لہجے میں بولی۔

''اتنی بار کہا آپ کا پورٹریٹ بنائیں گے، سٹنگ ہی نہیں دیتے۔''

''پورٹریٹ؟ ہاں دیں گے دیں گے۔ آپ کے دوست سارے چلے گئے؟''

''سارے چلے گئے۔'' نجمی نے دہرایا۔ ''مچھلی کا شکار؟''

''خوب رہا۔ خوب'' وہ ہنسا۔ ''ہمیشہ پوچھتی ہو۔''

''اور آپ ہمیشہ لے کر نہیں جاتے۔ اتنی بار کہا ہمیں بھی کبھی لے جائیں۔''

''آپ مچھلی پکڑیں اور [illegible]''

''ارے مچھلی پکڑنے کون جا رہا ہے نعیم بھائی۔ آپ تو یاد ہی نہیں رکھتے۔ آپ کا پورٹریٹ بنائیں گے دریا کے کنارے پر اور [illegible] اتنا محدود ہے گا جبھی وہ جہاں دوسرے کنارے پہ چھوٹا سا جنگل ہے نہیں؟ وہیں پہ اس کنارے آپ دریا میں ڈوری پھینک کر ایک بڑے سے پتھر پر چڑھ کر اپنے خیال میں بیٹھے ہوں گے جیسے بیٹھا کرتے ہیں اور کندھے پر ایک کوا بیٹھا ہوگا اور...... اتنا کیریکٹر ہے آپ کے چہرے پر پتا ہے آپ کو؟''

نعیم خاموشی سے ہنسا۔

''پھر وعدہ کیجئے اب کی بار ہمیں اور عذرا آپا کو لے کے جائیں گے۔''

''ہاں۔ ضرور لے جائیں گے۔''

اسے ایک عجیب انہماک سے اپنی طرف دیکھتا ہوا پا کر نجمی گھبرا کر چپ ہو گئی۔ وہ اس کی انوکھی طبیعت سے مرعوب بھی تھی اور خائف بھی، لیکن اس طرح سے وہ بہت کم اسے دیکھا کرتا تھا۔ دور کی آوازیں اٹھ رہی تھیں اور گر رہی تھیں۔ کہیں پر شاید آگ لگا دی گئی تھی جس کی نارنجی روشنی آسمان کی طرف اٹھ رہی تھی۔ برآمدے کا ٹیلی فون زور زور سے بجنا شروع ہو گیا۔

''عذرا نہیں۔ صرف تم۔'' نعیم نے کہا۔

''عذرا آپا نہیں؟''

نعیم نے کوئی جواب نہ دیا' صرف اسے دیکھتا رہا۔ ٹیلی فون تھوڑے تھوڑے وقفے پر مسلسل بجے جا رہا تھا۔ سارے نوکر کوٹھی کے پچھواڑے خوفزدہ بھیڑوں کی طرح جمع ہو کر شہر کی جانب دیکھ رہے تھے۔ صرف ایک مہری برآمدے میں بجتی ہوئی ٹیلی فون کو اور نجمی کو بار بار دیکھ رہی تھی۔ یہ آلہ قطعی طور پر اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ پل بھر میں نجمی پسینے میں بھیگ گئی۔

''انیس ٹھیک کہتا ہے۔ وہاں پر جا کر مجھے سکون ملتا ہے اور سکون...... مجھے تم سے مل کر بھی ملتا ہے۔'' وہ اسی انہماک سے بول رہا تھا۔ ''تم مجھ سے کبھی نہیں ملتیں' بات نہیں کرتیں۔ کیوں؟''

''اوہ...... اچھا؟ نہیں نعیم بھائی۔'' وہ کوشش کر کے ہنسی۔ ''لیکن عذرا آپا......''

نعیم نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ ''تمہیں پتا ہے میری کیسی کوفت کی زندگی ہے؟ اس سے بچنے کے لئے میں ہر جگہ مارا مارا پھرتا ہوں۔ میری بیوی...... اس کے ساتھ ایک مدت گزر گئی' مجھے کچھ نہیں دے سکی۔ اور تم...... اتنی ذہین ہو۔ تمہارا دماغ...... میں اس کے ساتھ بیوقوفوں کی طرح رہتا ہوں۔ اور تم۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی اور گال اور ہونٹوں کو چھوا۔ ''تمہارا ذہن...... میں نے ہمیشہ تمہارے جیسی لڑکی کی تمنا......''

نجمی ہونق ششدر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی' میز پر سے ذرا سی اٹھی' پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

نعیم حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اس بلا خیز طوفانی جذبے میں سے نکل آیا۔ آہستہ آہستہ وہ کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ [illegible] پر عمل کر دی۔ اسی لمحے میں اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس گھر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے گا۔ تقریباً بھاگتا ہوا' میزوں کرسیوں سے ٹکراتا وہ اپنے کمروں کی طرف بڑھا۔ نجمی نے پانی کے جگ کے گر کر ٹوٹنے کی آواز سنی اور ہاتھ ہٹا کر جھلملاتی آنکھوں سے اسے لنگڑا کر چلتی ہوئی شبیہ کو جو زندگی کی ناقابل تسخیر علامت تھی' غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔

UrduPhoto.com

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ عذرا حسب معمول نعیم سے اس کے اتوار کے شکار کے متعلق پوچھ پاچھ کر اور اس کی خاموشی سے تنگ آ کر سو چکی تھی لیکن اس کا ایک بازو ابھی تک نعیم کی چھاتی پر بے سدھ پڑا تھا۔ نعیم بازو سر کے نیچے رکھے بے خواب آنکھوں سے اندھیرے میں چھت پر اور ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ گرمی اور حبس کی وجہ سے اس کا جسم پسینے سے تر تھا لیکن اس کے دل میں ہر جذبہ سرد ہو چکا تھا اور ذہن خالی تھا۔ اس نے کئی بار چوڑے' آرام دہ بستر پر اپنے آپ کو پھیلا کر سونے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ کھلی کھڑکی میں یوکلپٹس کے پتے سیاہ پتھروں کی طرح ساکن تھے اور ان کے پیچھے میلا لا بے جان سا چاند ابھی ابھی اوپر آیا تھا۔ شہر کی جانب سے آوازیں مسلسل آ رہی تھیں' کبھی دور' کبھی نزدیک۔ وہ دیر تک بے حس و حرکت لیٹا ان کے زیر و بم کو محسوس کرتا رہا حتی کہ اس کا بازو سر کے نیچے رکھا رکھا سو گیا۔ کمرے میں صرف پنکھے کے چلنے اور عذرا کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی مانوس آواز تھی۔ رات کی کمزور روشنی میں اس نے اپنے سینے پر پڑے ہوئے عذرا کے ہاتھ کو دیکھا جس کی انگلیاں نیند میں

آپ سے آپ مل رہی تھیں۔ کیسی سکون کی نیند ہے تمہاری' اس نے دل میں کہا۔ اور اس کے اندر حسد کا تیز احساس پیدا ہوا۔ لیکن اس کے دل میں اب اتنا زور نہیں رہا تھا کہ اس طاقتور جذبے کو سہار سکتا۔ اندھیرے میں بے حس و حرکت تکلیف سہتے ہوئے اب ایک عجیب سرد مہری اس کے دل میں پیدا ہوئی۔ اس نے سر موڑ کر دیکھا۔ گوشت پوست کا یہ ڈھونگ' یہ کیا ہے؟ یہ عورت' کیا سمجھتی ہے' کیا سوچتی ہے' کتنی بے حس اور لاپرواہ ہے۔ اسے مجھ سے کیا غرض ہے' کیا تعلق ہے؟ اتنا پھسپھسا رشتہ اتنی مدت سے قائم ہے! دفعتاً اس نے اس عورت سے' جو ربع صدی سے اس کی بیوی تھی' شدید بیزاری اور لاتعلقی محسوس کی۔ اس کے بازو کو جھٹکے سے ہٹا کر وہ اٹھا اور کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ چاند اوپر آ گیا تھا اور رات میں جان پڑ رہی تھی۔ آگ کی روشنی اب سارے آسمان پر پھیل چکی تھی اور دور کی موسیقی کی طرح آوازیں کبھی مدھم کبھی تیز آ رہی تھیں۔

عذرا کی آنکھ کھلی اور اپنے آپ کو اکیلے پا کر اٹھ بیٹھی۔ پھر آنکھیں مل کر اس نے چاروں طرف دیکھا اور نعیم کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''نعیم'' اس نے سہم کر کہا۔ ''شہر میں شاید فساد ہو گیا۔ گیٹ پر چوکیدار...''

نعیم نے اس کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہا۔ پھر یکساں' سپاٹ آواز میں بولا۔

''نکل جاؤ یہاں سے۔''

عذرا [illegible] لیے اس کی پرانی خو بیدار ہوئی' لیکن اب عمر کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ وہ چکرا کر سٹول پر بیٹھ گئی۔ نعیم نے پلنگ پر سے ڈریسنگ گاؤن اٹھایا اور اسے پہنتا ہوا باہر نکل گیا۔

گیٹ پر چوکیداروں نے اسے باہر نکلتے ہوئے حیرت سے دیکھا۔ سڑک لمبی اور سنسان تھی اور بجلی کے کھمبوں پر روشنیاں سستی اور یکسانیت سے جل رہی تھیں۔ جب بھی وہ کھمبے کے نیچے سے گزرتا تو دو چار برساتی پتنگے اس کے بالوں پر گرتے' یا کسی کوٹھی کا کتا اس پر بھونکتا۔ اس کے علاوہ اسے اپنی تنہا مسافرت میں کوئی نہ ملا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا گیا حتیٰ سڑک داہنی طرف مڑ کر شہر کی حدود میں داخل ہو گئی۔

وہ ایک بازار میں سے گزر رہا تھا جہاں اندھیرا تھا اور تمام دکانیں بند تھیں۔ دکانوں کے تختوں پر جگہ جگہ چارپائیاں بچھی تھیں جن پر سے سوتے ہوئے لوگ اٹھ کر جانے کہاں جا چکے تھے۔ کئی ایک چارپائیوں پر آوارہ کتے چڑھ کر بیٹھے اونگھ رہے تھے یا مکروہ آوازوں میں رو رہے تھے۔ پھر ایک چھوٹی سی گلی آئی جسے پار کرنے پر دوسرا بازار شروع ہوا جس میں بجلی کے کھمبوں پر روشنیاں تھیں اور پتنگے تھے۔ چارپائیاں اسی طرح خالی پڑی تھیں اور کتے اسے دیکھ کر زور زور سے بھونکنے لگے تھے۔ یہ بازار بہت گندا تھا اور کھانے پینے کی اشیاء بکھری پڑی تھیں۔ بازار کے وسط میں نعیم کا پاؤں کسی پھل کے چھلکے پر سے پھسلا اور وہ پیٹھ کے بل زمین پر آ رہا۔ اس نے اٹھ کر ایک سلیپر جو اتر گیا تھا' پہنا اور پھر چل پڑا۔ اس کے بعد ایک اور اسی قسم کا بازار آیا جس میں آم اور خربوزوں کے چھلکوں اور کتوں سے بچتا

بچاتا وہ گزرتا رہا۔ کتے آوارہ اور کاہل تھے اور صرف بھونکنے یا رونے پر مصر تھے۔ کتے کا ایک پلا سامنے سے گزرتا ہوا اس کی ٹانگوں میں الجھ گیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ پلے نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا لیکن اس کی ماں' جو ایک خالی چارپائی پر نیم دراز تھی' قناعت سے پڑی روتی رہی۔ اسی طرح اس نے کئی اندھیری اور نیم اندھیری بدبودار گلیاں پار کیں۔ کوئی انسان اس کو نظر نہ آیا۔ صرف ملی جلی آوازوں کا شور اور آگ کی لپک قریب آتی گئی۔ آخری گلی میں اتنا شور تھا کہ اس نے محسوس کیا جیسے وہ اس کے درمیان کھڑا ہے۔ گلی سنسان تھی اور وہ اکیلا وہاں کھڑا تھا۔ دونوں جانب اونچے اونچے مکان اندھیرے میں پتھریلی بے حسی کے ساتھ کھڑے تھے اور ان کے دروازے اور کھڑکیاں مضبوطی سے بند تھے۔ چلتے چلتے نعیم کا پاؤں پھسل کر گلی کے درمیان بہتی ہوئی نالی میں جا پڑا اور گندے پانی کے چھینٹے اڑ کر اس کے پاجامے پر پھیل گئے۔ اس نے جھک کر سلیپر نالی سے نکالا اور اسے پہنتے ہوئے ایک لمحے کو اس نے اس جگہ پر اپنے آپ کو بے حد اجنبی اور تنہا اور مضحکہ خیز محسوس کیا۔ لیکن جلتی ہوئی لکڑی کی بو اب اس کی ناک میں داخل ہو رہی تھی اور دھواں گلی میں پھیل رہا تھا۔ گلی کا موڑ مڑتے ہی اچانک وہ اس سارے شور اور چلاہٹ کے درمیان پہنچ گیا۔

یہ ایک کھلا سا احاطہ تھا جیسا کہ پرانے محلوں میں کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا ہے۔ احاطے کے عین سامنے تین چار اونچے اونچے مکان دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ ہوا کی کمی کی وجہ سے دھواں وہیں پر بھر گیا تھا اور چاروں طرف لوگ جو تماشہ دیکھنے کے لیے اپنے اپنے مکانوں کے دروازوں پر اکٹھے ہو گئے تھے' آنسو بھری آنکھوں کو بار بار پونچھ رہے تھے اور [illegible] بریگیڈ کا انجن جو اندر نہ آسکتا تھا باہر سڑک پر کھڑا تھا اور تند فائرمین اس کے پچکے سے پائپ کے ذریعے' جو اتنی بڑی آگ کے لئے نہایت ناکافی تھا' پانی پھینک رہے تھے۔ جلتے ہوئے مکانوں کے آس پاس کے گھروں میں سے سامان نکالا جا رہا تھا اور ڈرے ہوئے جسموں اور شدید خطرے کی وجہ سے خالی چہروں والے لوگ چیخ چیخ کر اندر باہر بھاگ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر پسینے کی لکیریں چل رہی تھیں اور وہ آگ میں چمک رہے تھے۔ چند ایک پولیس کے سپاہی بلاوجہ ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ مخالف سمت میں گلی کے فرش پر چند کنبے اپنے مختصر سامان کے اوپر بیٹھے تھے اور مکمل طور پر خالی الذہن دکھائی دے رہے تھے۔ یہ شاید وہ لوگ تھے جو جلتے ہوئے مکانوں میں سے جان بچا کر نکلے تھے اور جن کی عورتیں اور بچے رو رہے تھے اور مرد سراسیمہ کھڑے تھے۔ ایک جوان مرد جو چیخ چیخ کر اپنے کنبے کو چپ رہنے کی تلقین کر رہا تھا' آخر برداشت نہ کر سکا اور کود کود کر اپنی بیوی اور بچوں کو پیٹنے لگا۔ وہیں کھڑے کھڑے نعیم نے اس سارے منظر کے شدید الم اور مضحکے کو محسوس کیا اور چل پڑا۔ اس سارے ہجوم میں کسی نے بھی اس اکلوتے' جسم چرا کر نکلتے ہوئے انسان کی اقتاد کو نہ پہچانا کہ اجتماعی انسانی اقتاد اس قدر جاذب نگاہ ہوتی ہے۔

فائر انجن کے پاس پہنچ کر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ بلوائیوں کا ایک گروہ ایک اندھیری گلی میں سے نمودار ہو کر آناً فاناً دوسری اندھیری گلی میں غائب ہو گیا۔ انہوں نے لنگوٹ اور ڈھنڈاسے باندھ رکھے تھے اور پسینے میں نہائے ہوئے سیاہ جسم آگ کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ چند پولیس کے سپاہی ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ ایک ثانیہ لیکن

UrduPhoto.com

اس ایک ثانیے میں نجمی نے اس گروہ میں ایک بے حد مانوس اور عزیز چہرہ پہچان لیا۔ بلوائیوں کے گروہ میں سے ہونے کے باوجود وہ چہرہ نعیم کے لئے محض ایک ڈر کر بھاگتے ہوئے بچے کا تھا۔ اس کے سرد مہر دل میں اس کے لئے ایسی گھمبیر محبت کی لہر اٹھی جو باپ کے دل میں گمشدہ بچے کے لئے پیدا ہوتی ہے اور پہلی دفعہ اس نے اس سارے منظر میں اپنے آپ کو جذباتی طور پر شریک محسوس کیا۔

''وہ یہاں ہے۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا۔

وہ سڑک پار کر رہا تھا جب ایک سپاہی نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔

''کون ہو تم؟'' پھر بازو کی غیر معمولی سختی کو محسوس کر کے اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ''یہ کیا ہے؟''

نعیم نے جلد جلد آستین چڑھا کر ننگا بازو آگے بڑھا دیا۔ سپاہی نے ٹارچ کی روشنی میں حیرت سے اسے اپنے ڈنڈے کی مدد سے ٹھونک بجا کر دیکھا۔ پھر اس کے لبوں پر ایک نفرت انگیز تمسخر کی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''کون ہو تم؟''

''میں؟''

''تو کیا میں؟'' سپاہی نے کڑک کر کہا۔

''نعیم احمد خان۔''

''کہاں جا رہے ہو؟''

''میں؟ کہیں نہیں۔''

''میں میں کرتا ہے...... حرامزادہ' بیٹھ جاؤ وہاں پر۔''

نعیم سڑک کے کنارے ایک دکان کے تختے پر بیٹھ گیا۔ سپاہی ادھر ادھر گھوم کر اندھیری گلیوں میں جھانکتا رہا۔ پھر ایک گلی میں سے دو اور سپاہی نمودار ہوئے۔ تینوں نے جلد جلد آپس میں باتیں کیں اور اسی گلی میں غائب ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک انتظار کرنے کے بعد نعیم اٹھ کر چل پڑا۔

کئی سنسان بازار اور گلیاں عبور کرنے کے بعد وہ ایک کھلی سڑک پر نکل آیا۔ یہ سڑک کوئنز روڈ کی طرح سیدھی اور خالی تھی اور دونوں طرف روشنیاں اکتاہٹ کے ساتھ جل رہی تھیں۔ اس سڑک پر پھر پہنچتے اس کے پاؤں پر گرنے اور اکا دکا رکھوالا کتے اس پر بھونکنے شروع ہوئے۔ تھوڑی دور جا کر وہ ایک کوٹھی میں داخل ہوا۔ پورچ میں ایک مدھم سی بتی جل رہی تھی۔ آس پاس کوئی کتا یا چوکیدار نہ تھا۔ اسی عجلت سے برآمدے میں چڑھ کر اس نے گھنٹی بجائی۔ ایک بار دو بار تین بار۔ زندگی کے کوئی آثار نہ پا کر اس نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھی اور ایک منٹ تک اسے دبائے رکھا۔ ایک بوڑھا ملازم کوٹھی کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ کچھ دیر تک وہ حیرت سے منہ کھولے نعیم کو دیکھتا رہا' پھر الٹے پاؤں بھاگتا ہوا غائب ہو گیا۔

''روشن محل کے نعیم میاں۔'' اس نے پھولے ہوئے سانس سے ایک ماما کو اطلاع دی۔

UrduPhoto.com